ادب اور جرمیات: اردو ناول میں جرائم کی پیشکش

ندیم اختر

اسکالر پی ایچ ڈی، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد۔

ڈاکٹر محمود الحسن

اسسٹنٹ پروفیسر، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد۔

Abstract

In this world relation of crime with human being will remain from the very first day till the end of times. Western literature especially Novels has depicted such crime in a very good way and represented the society excellently. Urdu Novel on the other hand have also illustrated theft, Robbery, murders, fraud, terrorism, street crimes, sexual harassment, economic manipulation, lawlessness, material law, money laundering dealing and white collar crimes, fabulasly from there origion. It is a distiction of our Urdu Novels that they have also provided a solution and treatment for these crimes to facilitate the existence of crime free society.

دنیا میں انسان اور جرم کا ساتھ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ جرم عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی گناہ، خطا اور قصور کے ہیں انگریزی میں اس کے لیے لفظ کرائم (Crime)اور اس کے متعلق علم کو (Criminology) کہا جاتا ہے۔[1] اردو میں اسے جرمیات کا نام دیا گیا ہے۔ادب چونکہ زبان کا سرمایہ ہوتا ہے اور خیالات و تجربات کے اظہار کا ذریعہ بھی ہے۔ خطا یا جرم کا اظہار دنیا کے ہر ادب میں موجود ہے۔ اردو ادب میں بھی اس کا اظہار ہر جگہ موجود ہے۔ بالخصوص ہمارے اردو ناول میں کرداروں کی شکل میں قتل، چوری، ڈکیتی، سرقہ، معاشی استحصال ، دہشت گردی، قبضہ مافیا اغوا برائے تاوان، قانون شکنی، مارشل لاء، منی لانڈرنگ، وائٹ کالر کرائم، عصمت فروشی، جوا، راہزنی، ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ، بچوں سے جنسی زیادتی، منشیات کا استعمال و فروخت، ٹیکس چوری، سائبر کرائم، غداری جیسے جرائم ہمیں بکثرت ملتے ہیں۔ کیونکہ ناول پوری زندگی کا احاطہ کرتا ہے اور اس کی تصویر پیش کرتا ہے۔ناول میں زندگی کے مختلف تجربات اور مناظر ہوتے ہیں۔ زندگی کی طرح واقعات کا ایک سلسلہ ہوتا ہے۔ پلاٹ، کردار، موضوع، مکالمہ

،منظر نگاری اور فلسفہ زیست کی جھلک ہوتی ہے۔ ناول اور زندگی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ناول نگار جو کچھ دیکھتا ہے الفاظ کے ذریعے پیش کش کرتا ہے اور ان کا حل بھی بتاتا ہے تاکہ معاشرے سے بُرائی کا خاتمہ ہو۔

ناول نے قوموں کی زندگی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ جب سے ناول وجود میں آیا ہے اس نے جرمیات کی عکاسی بڑے اچھے انداز سے کی ہے۔ اگر ہم مغربی ناول کو دیکھیں تو((Harriet Beechr Stowe 1811- 1896)[۲] کا ناول "Uncle Toms Cabin" 1852ء میں آیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی ساڑھے تین لاکھ کاپیاں فروخت ہو گئیں۔ اس میں ایک غلام خاندان پر مجرمانہ سلوک کی کہانی تھی اور اس بات پر زور زور دیا گیا تھا کہ گورے امریکی انسان نہیں مجرمانہ درندے ہیں۔ اس غلام خاندان کی دردناک کہانی کو پڑھ کر ہر پڑھا لکھا امریکی غلامی کے خلاف آواز اٹھانے لگا اور جلد ہی امریکہ دو دھڑوں میں تقسیم ہو گیا اور ان کے درمیان جنگ شروع ہو گئی۔ ساڑھے چھ لاکھ انسان مارے گئے۔ آخر کار غلامی کے مخالف حامیوں سے جیت گئے۔ ناول انکل ٹامز کیبن نے امریکی معاشرے میں ایک شعور کا کردار ادا کیا۔ اس وقت کے امریکی صدر ابراہیم لنکن جب ہیرٹ بیچر سٹو سے ملے تو انھوں نے پہلی بات یہ کہی (اچھا تو تم ہی وہ عورت ہو جس نے یہ جنگ شروع کروائی تھی؟) ماریو پوزو کا[۳] (The God Father) جس میں اٹلی کے جزیرے سسلین مافیا کا ذکر بڑی خوبی سے کیا گیا ہے اس کے بعد اٹلی کی حکومت نے کسی پریشر کے بغیر ان تمام کرداروں پر جو اس وقت ملک میں موجود تھے، فوج کشی کی کیونکہ یہ لوگ افسروں اور ججز کو قتل کرانے جیسے جرائم میں بھی ملوث تھے۔

زندگی کا کوئی شعبہ بھی ان کے شر سے محفوظ نہیں تھا۔ جرائم پیشہ لوگوں کا نیٹ ورک اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد ان کے لیے کام کرتے ہیں۔ مثلاً ٹرانسپورٹر، طلبہ، اساتذہ، وکلا، تاجر، سیاستدان، پولیس، فوجی اہلکار، صحافی، اعلی افسران، سب ان کی بات مانتے ہیں اور اگر کوئی نہیں مانتا تو اس کی سزا موت ہوتی ہے۔ ڈان ونسلو کا ۲۰۰۵ء میں ۵۳۹ صفحے کا ناول جس نے بڑی شہرت پائی((The Power of the Dog)[۴] میں ایسی کہانی بیان کی گئی جس میں امریکہ میں (War on Drugs) کے ابتدائی تیس (۳۰) سالوں کو فکشن کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ اس ناول کی یہ خوبی ہے کہ اس میں فکشن کے پردے میں حقیقت بیان کی گئی ہے کہ کس طرح امریکی ادارے ڈرگ انفورسمنٹ ایڈمنسٹریشن، سی آئی اے یا ایف بی آئی اور امریکی سیاست دانوں کے کالے کرتوت بڑی خوبصورتی سے بیان کئے گئے ہیں۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کس کس طریقے سے منشیات فروشوں کی مدد کرتے ہیں جیمز رائے کا (L.A. Confidencial-1990) پڑھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مصنف نے کس خوبی کے ساتھ جرائم کے[۵] سربراہوں کا ذکر کیا ہے۔ ۴۹۶ صفحے کا یہ ناول لاس اینجلس پولیس کے آفیسر کس طرح منشیات اور عصمت فروشی جیسے جرائم کی پیدائش میں صرف روپے کی خاطر ان کی مدد کر رہے ہوتے ہیں۔[۶] "Dongri to Dubai" انڈین صحافی حسن زیدی نے بڑی عمدگی سے ساٹھ سالہ جرائم کی تاریخ بیان کی ہے جس میں بمبئی کے اسمگلر اور منشیات فروش کن کن طریقوں سے

جرائم کرتے ہیں اور وہ وہ معززین شہر بھی ہیں یعنی وائٹ کالر کرائم کے ماہر بھی ہیں۔ ایس کے گھوش کی کتاب "The Indian Mafia" جس میں بمبئی شہر کے مافیا کا ذکر ہے جس میں ۱۹۴۰ء سے ۱۹۸۰ء تک بھارت کے معاشی اور بڑے شہر ممبئی میں ان مافیاز نے ہر قسم کے جرائم کی پرورش کی۔ اس میں ڈکیتی، اسمگلنگ، اغوا برائے تاوان، قتل، رشوت ستانی، ان کے ساتھ، روسی، افریقی، سری لنکن اور اسرائیلی مافیاز کا اشتراک بھی تھا۔ ان میں حاجی مستان، کریم اللہ، حیدر مرزا اہم کردار تھے۔ کراچی سی ٹی ڈی کے سربراہ عمر شاہد نے اپنے دو انگریزی ناولوں The Prisoner اور The Party worker[۷] جس میں کراچی کے گزشتہ چار دہائیوں میں یہ شہر کس طرح ان جرائم پیشہ افراد کے قبضے میں رہا اور اب بھی ہے۔ اجمل پہاڑی اور عزیز بلوچ کس طرح اپنے اپنے علاقے میں پولیس پر اثرانداز ہوتے تھے ان ناولوں میں بیوروکریٹس، پولیس آفیسر اور سماجی شخصیات کے چہرے بے نقاب ہوئے ہیں۔ جس میں ایک ٹارگٹ کلر صرف دو سو روپے دیہاڑی پر آدمیوں کو قتل جیسے جرائم کرتا ہے۔ جنرل ضیاء الحق (۱۹۷۷ء تا ۱۹۸۸ء) کے دور میں قائم ہونے والی ایک سیاسی جماعت دشمن ملک سے پیسہ لے کر شہر میں ہر قسم کے جرائم کراتی ہے۔ ناول نگار نے معاشرے کی سچی تصویر پیش کی ہے جو کہ حقیقت ہے۔ اگر ہم اُردو ناول کی تاریخ دیکھیں تو اُردو کے پہلے ناول مراۃ العروس[۸] کے آٹھویں باب میں جرائم پیشہ کردار کی عکاسی ڈپٹی نذیر احمد نے بڑے عمدہ انداز میں کی ہے، جس میں ایک (چوری کرنے والی چالاک عورت) کا کٹنی کا کردار ہے جو اکبری کو بے وقوف بنا کر سارا زیور دلوانے کے بہانے لے کر رفوچکر ہو جاتی ہے۔ ماما عظمت کا کردار ایک جرائم پیشہ عورت کا کردار ہے جس میں وہ عورت گھر میں روپے پیسے کے معاملے میں ہیرا پھیری کرتی ہے۔ مثلاً پیسے کے دس پان آتے ہیں اور ماما عظمت صرف دو لے کر آتی تھی۔ ماما عظمت کھلے منہ کہتی تھی کہ "میں گھر نیلام کر کے نکلوں گی۔ اینٹ سے اینٹ بجا کر جاؤں گی۔ پہلے یہ محمد کامل اور اصغری کے درمیان اختلافات کو ہوا دیتی ہے۔ پھر پورے گھر میں ایک کو دوسرے سے بدظن کر دیتی ہے۔ گھر جنگل کا ماحول پیش کرتا ہے۔ مرزا ہادی رسوا کے ناول امراؤ جان ادا میں ایک مجرمانہ کردار دلاور خان کا ہے جو امراء کو اغوا کرتا ہے پھر بیل گاڑی پر بٹھا کر اپنے رشتہ دار پیر بخش سے مل کر اسے لکھنؤ کے بازار حُسن میں خانم کے کوٹھے پر جا کر سوا سو (۱۲۵) روپے میں فروخت کرتا ہے۔ پیر بخش ۵۰ روپے اور ۷۵ روپے دلاور خان لے لیتا ہے۔[۹] ایک ڈبل شاہ کا کردار ہے جو زیور لے کر کٹورے میں ڈالتا ہے اور کہتا ہے کل کھولنا دو ہو جائیں گے لیکن اتنی دیر میں وہ غائب ہو جاتا تھا۔ فیض علی جیسے لوٹیروں کا کردار بھی اس کا حصہ ہے۔ رسوا نے اس وقت کے معاشی اور اخلاقی جرائم کا ذکر اپنے ناول میں نہایت ہنرمندی سے پیش کیا ہے۔

فردوس بریں میں عبدالحلیم شرر کے شیخ وجودی جیسے مجرمانہ کردار اور اس کے قتل جیسے جرائم کو ناول کا مضبوط کردار بنایا ہے جس میں حسین کو کاظم جنونی جنت میں لے جانے اور جنتی حوروں کے بارے میں بتاتا ہے جیسے ہمارے ملک میں دہشت گرد جنت کا ٹکٹ دے کر خودکش حملوں کے لیے اکساتے تھے اور معاشرے میں دہشت و خوف کی علامت

سمجھے جاتے تھے۔ شیخ جودی اسے وقت کے امام مسلم نصر بن احمد کی جان لینے کے لئے دمشق بھیجتا ہے۔ وہ مسجد میں داخل ہو کر آدھی رات (۱۰) کو قتل جیسا جرم سر انجام دیتا ہے اور آلہ قتل اور اپنے کپڑے نہر کے کنارے دھوتا ہے۔ شیخ وجودی حسین کے چہرے کے داغ کو جو کہ بچپن میں لگا تھا گرنے کی وجہ سے یہ کہتا ہے کہ رات کو حور نے بوسہ لیا تھا۔ پھر پتہ چلنے پر حسین علی وجودی کو قتل کرتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ اس نے برائی کی جڑ کو ختم کر دیا ہے۔ شیخ علی وجودی جیسے جرائم پیشہ کردار ہماری تاریخ کا سیاہ کردار ہیں۔ ناول ملک العزیز ورجینا ملت اسلامیہ کی حمیت کو جوش میں لاتا ہے لیکن کچھ مجرمانہ تاریخی کردار بھی شامل ہیں۔ "فسانہ آزاد" میں پنڈت رتن ناتھ سرشار نے خوجی کے کردار کی صورت میں ایک معاشرتی خطاکار کو ہلکے شیطان کے روپ میں پیش کیا ہے۔ علامہ راشد الخیری کا ناول "شام زندگی" بھی ایک اہم ناول ہے اسی ناول کی وجہ سے انہیں مصور غم بھی کہا جاتا ہے۔ ان کو اردو کا پہلا افسانہ نگار ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ انہوں نے ناول میں جرائم کا اسباب بننے والے کرداروں کو زیر بحث لاتے ہوئے جرائم کو غم کا سبب قرار دیا ہے۔ منشی پریم چند اردو کے اہم ناول اور افسانہ نگار ہیں انھوں نے ۱۹۰۱ء سے لے کر ۱۹۳۶ء تک یعنی اپنی وفات تک اردو کو بہترین ناول دیے جن میں "بازار حُسن"، "چوگان ہستی"، "نرملا"، "گئودان"، "میدان عمل" اور "بیوہ" شامل ہیں۔ ان کا پہلا ناول "اسرار معابد" ہندوستان میں اَن پڑھ مذہبی پیشواؤں، جعلی قسم کے مذہبی رہنماؤں کے جرائم کا ذکر بڑی سچائی سے پیش کیا ہے۔ مذہب کی آڑ میں یہ جرائم پیشہ لوگ معاشرتی ناہمواری کا باعث بنتے ہیں۔ "گئودان" میں جاگیرداروں کا غریب کسانوں پر مظالم اور ان کی لاقانونیت کو عمدہ انداز میں تحقیقی نقطہ نظر سے پیش کیا ہے۔ پریم چند نے اصلاح معاشرہ میں اہم کردار ادا کیا اور جرائم پیشہ کرداروں کو بے نقاب کیا جو مذہب یا روایت کی آڑ میں کرتے ہیں۔ سجاد ظہیر نے "لندن کی ایک رات" میں شعور کی رو اور ہندوستانی طلبہ کی ذہنی، جسمانی کشمکش کے ساتھ انگریز سرکار کو ڈاکو کے روپ میں دکھایا گیا ہے، جو ہندوستان کی دولت کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں۔ ۱۹۳۶ء میں ترقی پسند تحریک کا آغاز ہوا تو گویا ناول میں بھی انقلاب آگیا اور پہلے کی نسبت اچھے ناول لکھے گئے۔ قاضی عبد الغفار کا "لیلیٰ کے خطوط" ۱۹۳۲ء اور (۱۱) "مجنوں کی ڈائری" ۱۹۳۴ء گو کہ یہ ناول ترقی پسند تحریک سے پہلے وجود میں آئے لیکن ان میں "لیلیٰ کے خطوط" کو پہلا ترقی پسند ناول ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ "مجنوں کی ڈائری" ایک طوائف کی داستان کو بڑے اچھے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ناول کی تکنیک روزنامچہ یا ڈائری کی ہے۔ طوائف یعنی گانے والی عصمت فروش مرکزی کردار ہے۔ "امراؤ جان ادا" میں انیسویں صدی کی طوائف ہے اور قاضی عبد الغفار کی لیلیٰ بیسویں صدی کی طوائف ہے۔ دونوں کے پاس مجرموں کا آنا جانا رہتا ہے۔ ناول کا آخری حصہ بڑا جاندار ہے جس میں مجرموں سے انتقام لینے کے لیے لیلیٰ بے تاب نظر آتی ہے۔

> "مجرموں سے میرے انتقام کا وقت آئے گا جب میں بیوی اور ماں بن کر بغاوت کا علم بلند کروں گی۔ ابھی تو میں ایک بازاری عورت ہوں۔ ذلیل، حقیر، گردن زدنی۔ جس شریعت

کے پردے میں مرد، عورت پر جابرانہ حکومت کرتا ہے اسی شریعت کا نام لے کر اس کے سارے پردے فاش کروں گی۔ عصمت فروش بازاری عورت کی دو باتیں سن کر تم اس قدر خفا ہو گئے مگر جب ایک خانہ نشین، پاک نہاد بیوی کی دو چار باتیں سنو گے تو کیا کہو گے ؟ آواز محض تحقیر اور ذلیل سے روکی نہیں جا سکتی ! یہ اوچھوں کے ہتھیار ہیں جن کی دھار ہمیشہ کند ہوتی ہے"۔(۱۲)

اس ناول میں قاضی عبدالغفار نے ایک طوائف کی زندگی کی عکاسی کی ہے جو عصمت فروشی سے واپس عورت بننے کا سوچ رہی ہے کیونکہ اب اس کے اندر کی عورت بیدار ہو گئی ہے۔ معاشرے میں پائے جانے والے اپنے عصمت فروش کردار سے وہ تنگ آ گئی ہے اور ایک اچھی عورت کے روپ میں اپنے آپ کو ڈھالنے کی کوشش کر رہی ہے۔ کیونکہ معاشرے میں عصمت فروشی کا کردار ایک مجرمانہ کردار ہے اور وہ اس سے توبہ کرنا چاہ رہی ہے۔ معاشرہ میں جرائم پیشہ افراد ایسا نہیں چاہتے۔

کرشن چندر کا (شکست ۱۹۴۳ء)عزیز احمد کا(گریز ۱۹۴۳ء) اور "ہوس" عصمت چغتائی کا (ٹیڑھی لکیر) ان ناولوں میں ظلم و ستم اور بے جا معاشرتی جرائم کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ ترقی پسند اردو ناولوں میں عریاں نگاری یعنی جنس نگاری، عصمت فروشی، جنسی زیادتی جس میں عزیز احمد کا "گریز" ناول شامل ہے۔ جنسی جرائم کی عکاسی ایک اچھے انداز میں کی ہے۔ ہمارے نقادوں نے اس پر رائے دی ہے۔ ڈاکٹر خالد اشرف نے اپنی کتاب "برصغیر میں اردو ناول" میں کہا ہے:(۱۳)

"سید وقار عظیم، علی عباس حسینی، ڈاکٹر احسن فاروقی جیسے ناقدین فن کی شریفانہ ذہنی ساخت نذیر احمد اور پریم چند کے آدرش وادی اور صاف ستھرے کرداروں کے برعکس نئے مصنفین کے بے باک کرداروں اور کھلے موضوعات کو ذہنی طور پر قبول کرنے سے لاچار ہے مصنف نے اس ناول میں مشرقی اور مغربی تہذیب متوسط طبقے کی نفسیاتی اور جنسی بھوک کو کامیابی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ناول کا ہیرو نعیم اس طبقے کی ذہنی اور جذباتی الجھنوں کی تصویر ہے۔ عزیز احمد نے پہلی بار فرائڈ کے نظریات کو اپنے ناولوں میں مقام دیا ہے۔ "گریز" پہلی جنگ عظیم کے بعد تباہ و تاراج یورپ کی منتشر زندگی کا قصّہ ہے جب کوئی مثبت قدر معاشرے میں باقی نہیں بچی تھی۔ نعیم جنگ عظیم کے بعد کی پیدا شدہ تشکیک کا پروردہ وہ نوجوان ہے جو اپنے ماحول اور سماج سے قطعی طور پر ناآسودہ ہے۔ وہ قدم قدم پر اپنے ذہنی انتشار اور جذباتی پراگندگی سے بچنے کے لیے جنس کا سہارا لیتا ہے لیکن جنس اس کا

مقصد نہیں ہے۔ صرف اپنے احساس تنہائی کو مٹانے اور وقتی طور پر اپنے آپ کو حسن و جسم کی رعنائیوں میں غرق کرنے کا ذریعہ ہے۔ کبھی وہ اپنے آپ کو نطشے اور مارکس کے فلسفوں میں غرق کرتا ہے، کبھی مے نوشی کر کے اپنی فراریت پسندی کا ثبوت دیتا ہے۔ لیکن وہ کہیں بھی مطمئن نہیں ہو پاتا کیوں کہ زندگی اور زندگی کی تلخ حقیقتوں سے گریز ہی اس کی زندگی کی علامت ہے۔(۱۴)"

قراۃ العین کا ناول" آگ کا دریا" بہت مشہور ہوا۔ آزادی کے وقت ہونے والے کشت و خون کی، ہولی قتل و غارت، ہندوؤں کا مسلمانوں کو قتل کرنا، جواہر لال نہرو کا مگرمچھ کے آنسو بہانا، غرض کہ انسان کو درندہ ثابت کرنے جیسے جرم کی داستان اس میں واضح نظر آتی ہے۔ قراۃ العین حیدر کے اس ناول میں شعور کی رو اور رچرڈسن، جیمز جوائس اور ورجینا وولف جیسے ناول نگاروں کی طرح تہذیب و ثقافت کی بہترین عکاس ہے۔ اس میں ہر عہد کا مجرم چھپا بیٹھا ہے ہندو صدیوں مسلمانوں کے ساتھ رہ کر بھی اس کا دشمن ہے اور وقت آتے ہی اس کے اندر کا درندہ باہر آجاتا ہے جس کا نتیجہ قتل جیسے جرائم سے نکلتا ہے۔ عبد اللہ حسین کا ناول" اداس نسلیں" ایک انعام یافتہ ناول ہے جس نے آتے ہی اپنی کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیے۔ کہانی جنگ عظیم اوّل سے شروع ہوتی ہے اور ۱۹۶۰ءتک کے حالات اس میں درج ہیں۔ اس میں انگریز کی جبری بھرتی پھر ان کو افریقہ میں بے تربیت جنگی محاذ پر بھیجنا غرض کہ بے گناہوں کو جنگ کا ایندھن بنانا۔ سکھ نوجوان کا قتل کرنا، پھر قتل کا انتقام قتل، جنگ میں غفلت نوجوانوں کا بے گناہوں کو قتل کرنا، نعیم کا واپس گاؤں آکر دہشت گردوں میں شامل ہونا۔ امرتسر کے مشہور جلیانوالہ باغ کا واقعہ جس میں انگریزوں نے کھل کر قتل عام جیسا جرم کیا۔ معاشرے میں جرائم کی حقیقت کو ناول نگار نے عمدگی سے پیش کیا ہے اور اس کی مذمت کی ہے جو اردو ناول میں اپنی مثال آپ ہے۔

شوکت صدیقی کا ناول" خدا کی بستی" ۱۹۶۱ء میں انہوں نے بڑی خوبی سے متوسط طبقے کے جرائم کی عکاسی ایک اچھے نبض شناس کی طرح کی ہے کہ قاری خود چشم تصور سے اپنے آپ کو اس بستی میں موجود پاتا ہے۔ کرداروں کی شکلیں ان کے معمولات اور انداز گفتگو اور الفاظ کا چناؤ حقیت نگاری کا ایک عکس ہے۔ جو ان کی سحر بیانی اور مقصدیت کو عمدہ انداز میں ناظرین کو دکھاتا ہے۔ کراچی کے نچلے طبقے کے آوارہ نوجوانوں کے مجرمانہ مکالمے بھی اس قدر حقیقی انداز میں پیش کرتے ہیں جس سے ان کا معاشرتی مشاہدہ نظر آتا ہے۔ معاشرے کے جرائم پیشہ عناصر کس طرح تین کم سن کرداروں کو اپنے راہ پر لگاتے ہیں۔ اس کے لے لے نیاز کباڑیے کا کردار لاتے ہیں۔ نیاز کباڑیے کا کرایہ دار نوشا اور اس کی والدہ ہوتے ہیں۔ جب نوشا کرایہ دینے کے لیے کباڑیے کے پاس جاتا ہے تو کباڑیہ اس کو جرم کی ترغیب دیتا ہے بلکہ باقاعدہ طریقہ کار سکھاتا ہے۔

"اے نوشے! آج کل تو کیا کرتا ہے؟نوشانے جواب دیا"عبداللہ مستری کی ورکشاپ میں کام سیکھ رہاہوں........موقع لگے تو کبھی کبھار کوئی پرزہ اوزاراڑالیا کراس سالے پاپی کا مال کھانا تو ثواب کا کام ہے .... کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں سیدھا یہاں آجایا کر۔ چائے پانی کا خرچہ نکل آئے گا۔ میں نے سنا ہے تجھے تو فلم دیکھنے کا بھی بہت شوق ہے۔ نوشاسہا ہوا تھا کہنے لگا کہیں مستری کو پتہ چل گیا تو میری شامت آجائے گی"۔ نیاز اپنے ڈھب پر لانے کے لیے اکسانے لگا۔ابے جب اس سالے کو پتہ لگے گا تب۔بس ذرا ہوشیاری کی ضرورت ہے۔دیکھ میں تجھے ترکیب بتاؤں گا"۔اس نے پرزے چرانے کے کئی طریقے نوشے کو بتائے..."۔(۱۵)

اپنے کرداروں کے ذریعے شوکت صدیقی نے یہ بتایا ہے کہ معاشرے میں بڑا چور چھوٹے چور کیسے پیدا کرتا ہے۔ان کرداروں میں نیاز، راجہ، شامی، نوشا اہم ہیں۔ چھوٹے جرائم کی گھناؤنی دنیا کی جس طرح پردہ کشائی کی ہے۔ایک اچھے ناول نگار کی طرح معاشرے کا صحیح ترجمان ہے۔"خدا کی بستی"میں اچھے اور بُرے لوگ سب ہی آباد ہیں لیکن جرائم کی دنیاالگ ہی ہے جس میں ہر طرح کا مجرم اپنا اپنا کردار بڑی خوش اسلوبی سے نبھاتا ہے۔

شوکت صدیقی کا دوسرا بڑا ناول "جانگلوس" ہے جس میں وہ پنجاب کی دیہی زندگی پر سے پردہ اُٹھاتا ہے۔اس ناول میں جرائم زدہ شخص کے متعلق گہری معلومات پر ناموں کے تبدیل کیے بغیر ناول میں بھرپور ان کی عکاسی مکالموں اور منظر نگاری کا اعلیٰ شاندار نمونہ پیش کیا ہے۔پڑھنے والا حقیقی طور پر اپنی آنکھوں کے سامنے چلتے ہوئے ان کرداروں کو دیکھ سکتا ہے۔"جانگلوس" کے دو کردار جن میں رحیم داد اور لالی ہیں۔لالی کا دنیا میں کوئی خونی رشتہ باقی نہیں ہے لیکن وہ اپنی فطری انسانی ہمدردی دوسروں کی زندگی بچانے کی خاطر اپنے تئیں خطرے سے دوچار بھی ہو جاتا ہے۔ناول کے کردار "حیات محمد" ایک بیوروکریٹ جو اخلاقی پستی جیسے جرم میں ملوث ہے، خودی سے گزر کر تمام انسانی اقدار کو پامال کرتے ہوئے فقط ہوا و ہوس کا پجاری بن جاتا ہے۔اس کی بیوی جب اپنی دکھ بھری کہانی لالی کے سامنے بیان کرتی ہے تو شوکت صدیقی اس تصویر کو بیان کرتا ہے۔

"حیات محمد چاہتا ہے کہ مہمانوں کا دل بہلاؤں۔ان کے ساتھ سووں"اس کی آواز بھر اگئی اس نے ٹھنڈی سانس بھری میں اب تک آٹھ مہمانوں کے ساتھ سو چکی ہوں۔کل رات وہ مجھے نویں کے ساتھ سلانا چاہتا تھا۔اسے وہ سیاست کہتا ہے۔بادشاہ گری بتاتا ہے اور جب میں اس کی سیاست اور بادشاہ گری میں مدد کرنے سے انکار کرتی ہوں، مجھے بے رحمی سے مارتا ہے ہڈی پسلی توڑ دیتا ہے۔لہولہان کر دیتا ہے۔تجھے کس طرح بتاؤں کہ کیسے کیسے ظلم

کرتا ہے ....وہ جاگیر دار جائیداد کے بغیر کسی سے پیار نہیں کرتا"۔ فاخرہ نے گہری
سانس بھری جب تک یہ جاگیر جائیداداور زمین داری ہے نہ وہ اپنی بیٹی کا پیو بن سکتا ہے، نہ
میرا شوہر"۔(۱۶)

شوکت صدیقی لکھنو کے رہنے والے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد کراچی آکر اس نے اچھے مسلم معاشرے کا خواب دیکھا تھا۔ وہ اسے نظر نہ آیا۔ اس نے سماجی، سیاسی، اخلاقی گراوٹ کا جو انتشار معاشرے میں دیکھا اپنے قلم کے ذریعے محفوظ کرلیا۔ ساتھ ساتھ اخلاقی تلقین بھی کر رہاہے۔ رحیم داد اور لالی جیل سے بھاگے ہوئے قیدی ہیں۔ پھر جرائم پیشہ افراد ان کی اصلاح کی بجائے انہیں مختلف جرائم میں اپنا حصہ دار بنا لیتے ہیں۔ شوکت صدیقی نے "خدا کی بستی" اور "جانگلوس" میں معاشرے کے ایسے کرداروں کو بے نقاب کیاہے جو معاشرے میں عزت دار بنے ہیں یا درمیانے طبقے کے جرائم سے نقاب اٹھایاہے۔ جانگلوس میں کسان کی حالت زار اور جاگیر دار کے مجرمانہ رویے کی عکاسی کرتے ہیں۔ انہیں جرائم پیشہ کرداروں کی وجہ سے وہ ایک اچھے ناول نگار ہیں۔

شوکت صدیقی کے ناولوں کی بنت ہی حقیت نگاری ہے۔ یعنی جو معاشرے کے اندر موجود ہے وہی دکھایا جارہا ہے۔ اس کے ناولوں میں تمام کردار حقیقی زندگی کا غماز ہیں اور یہی ناول کی خصوصیت بھی ہوتی ہے۔ ڈاکٹر ممتازاحمد خان اس کے فن پر یوں رائے دیتے ہیں۔

"شوکت صدیقی ترقی پسندوں کی بھیڑ میں ایک ایسے حقیقت نگار حیثیت سے بر آمد ہوئے
جنہوں نے مخصوص نظریات کو فنی دائروں میں رکھ کر پیش کیا۔ جمالیاتی حسن کی آبیاری
بھی کی اور اپنے پڑھنے والوں کو متاثر بھی کیا۔"(۱۷)

نسیم حجازی کا "خاک اور خون" ایم اسلم کا "رقص ابلیس" اور قدرت اللہ شہاب کا "یاخدا" میں جرائم کے اسباب اور ان کا محرک بننے والے عناصر کی عکاسی بڑے اچھے انداز میں کی ہے۔ سیاسی لوگوں کے اکسانے پر عوام الناس کا قتل عام یا جنگی حکمت عملی کے تحت کسی قوم کی داستانیں ناول میں موجود ہیں۔ عبداللہ حسین کے ناول "قید" میں ایک مجبور عورت تین آدمیوں کو قتل کرکے پھانسی کی سزا پاتی ہے۔ اس ناول کی خوبی یہ ہے کہ اس میں نام نہاد مذہب کا لبادہ اوڑھے شخص کا جرم جب سامنے آتا ہے تو وہ پاگل ہو جاتا ہے۔ اس ناول میں بچپن کا خطاکار بڑا ہو کر بڑے جرم کرتا ہے۔ "قلعہ جنگی" مستنصر حسین تارڑ کا ایک جدید ناول ہے جس میں قید سات قیدیوں کی داستان ہے جو قلعہ جنگی (افغانستان) کے تہہ خانے میں قید ہیں۔ ان پر اپنے ہی مسلمان بھائیوں نے امریکیوں سے ان کو ڈیزی کٹر بموں سے مرواتے ہوئے دکھایا گیاہے۔ ناول میں جنگی جرائم کو بڑی باریک بینی سے بیان کیاہے جس کے پیچھے اقتدار حوس اقتدار اور عیسائی مسلم کی جنگ ہے۔ "قلعہ جنگی" ایک ایسے المیے کو طشت ازبام کرتا ہے جس میں ہزاروں انسانوں کالہو پانی کی طرح بہا۔ دانستگی یانادانستگی میں کچی عمر

کے انسان پکی عمر کے تجربہ کاروں کی انا کی بھینٹ چڑھ گئے۔ یہ مجرمانہ سلسلہ آج بھی جاری و ساری ہے اسلام کی مقدس جہادی روح کو عالمی استعمار نے جدید مہارت سے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا۔ مقاصد کے حصول کے بعد یہی جہادی مجرم ٹھہرے۔ افغانستان کی دھرتی کو میدانِ جنگ بنانے والے اپنی جنگیں دوسروں کی زمین پر لڑتے رہے اور ان کے اپنے بیٹے ہجرت پر مجبور ہو کر لاوارث قرار پائے۔ لاکھوں افغانی کسی کا بازو نہیں، کسی کی ٹانگ نہیں۔ ان غیر ملکی طاقتوں کے جنگی جرائم کا ثبوت ہیں۔ اس ناول میں مصنف کا نظریہ یہی ہے۔ مصنف دوسروں کے معاملات میں مداخلت کو جرم قرار دیتا ہے۔ اگر دوسروں کے معاملات میں مداخلت جرم ہے تو دوسرے ممالک کے لوگوں کا پرائی زمینوں پر جا کر جنگیں لڑنا نا قابل معافی جرم ہے۔ انہیں خیالات کی چہ مگوئیاں ناول میں کہیں کہیں چنگاریوں کی صورت میں دکھائی دیتی ہیں۔ مصنف نے انہیں جذبات کی بھڑاس اُس طرح کا رنگ دیا ہے۔

> ”ان میں کئی جو سرحد پار سے آئے تھے اور وہ صرف تلواروں سے مسلح تھے اور انہیں اس جذبے سے سرشار کیا گیا تھا کہ اگر ایمان مضبوط ہو تو کفر کو تلوار سے زیر کیا جا سکتا ہے لیکن کفر تھا کہ آسمانوں پر ہی اڑان کر کے چلا جاتا تھا نیچے آتا تو اس پر وار کر کے اپنے ایمان کی پختگی کا مظاہرہ کرتے۔ مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑ سکتا تھا۔ ان کے پاس پھر زنگ آلود تلواریں تھیں“۔(۱۷)

مصنف نے اپنے نظریات کا اظہار کرداروں کی زبانی بڑی خوبی سے کیا ہے اور ہر کردار کی ذاتی رائے میں بڑی عمدگی سے اپنا خیال آنے دیتے ہیں۔ اس میں اَن پڑھ ملاؤں کے کردار پر طنز کیا ہے جو ان لوگوں کے قتل کا محرک ہے۔

> ”ہم میں سے کچھ ایسے بھی ادھر آئے جو ملاؤں کے مکر اور سحر میں اندھے ہو کر آ گئے اور یہاں پہنچ کر ان پر کھلا کہ ان کے ساتھ کیا کھیل کھیلا گیا ہے۔ اس لیے ملا پیچھے رہ گئے۔ احتجاجی جلوس نکالنے اور چندہ جمع کرنے کے لیے........ لیکن ہم میں سے بیشتر اپنے اپنے شعور کے تابع ایک پر وقار موت کے لیے اپنے پورے ہوش و حواس کے ساتھ ادھر آئے تھے“۔(۱۷)

ناول میں مصنف نے بار بار اس المیے کا ذمہ داران ملاؤں کو ٹھہرایا ہے جو کھل کر اپنی رائے کا اظہار کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ اسی نوعیت کے ناول کا ایک اقتباس درج ذیل ہے:

> ”وہ کسی شریعت یا شہادت یا جہادی فلسفے سے متاثر ہو کر صدقِ دل سے اگر چہ کچی عمر کی ناپختہ فہم کے صدق دل سے اِدھر آنکلا تھا، اسے کچھ پتہ نہ تھا کہ اس کے مدِ مقابل جو کافر ہوں گے وہ شاید اس سے کہیں بڑھ کر پرہیز گار، شریعت کے پابند اور باریش ہوں گے۔

اور وہ بھی شہادت کے طالب ہوں گے اور کسی مولانا سنڈ وچ کا بہکایاہوا صدق دل کی بے دھیانی میں اِدھر آنکلا تھا"۔[۱۸]

یہ ناول جس میں جنگی جرائم کا ذکر بڑی خوش اسلوبی سے کیا گیاہے۔ قلعے کاماحول موت کا سایا بہت سے قیدی پنجروں میں قید تھے۔ کھانے پینے کے لیے کچھ نہیں دیا گیا پھر ایک سب سے بڑا جرم کہ قلعے کے تہہ خانے میں قید انسان خود ہی بھوک سے مر جائے لیکن اس میں پانی چھوڑنا کہانی کے سٹرکچر کو توڑنے کے مترادف ہے۔ یہی ناول کی خصوصیت بھی ہے کہ وہ کہانی اور زبان کے سٹرکچر کو توڑے۔ جنگی جرائم کے ذکر سے اس نے بڑی طاقتوں کے جرائم کو بے نقاب کیا ہے۔

پروفیسر مرزااطہر بیگ فلسفے کے پروفیسر ہیں۔ انہوں نے ۲۰۰۶ءمیں "غلام باغ" ناول لکھااس کے علاوہ ٹی وی ڈرامے اور دو اور ناول "صفر سے ایک تک" اور "حسن کی صورتحال" ان کا ناول جس نے کامیابی کے جھنڈے گاڑے وہ غلام باغ ہے۔ چندر گپت موریہ کے دور کا جنم کھنڈر (گم شدہ حقیقت) ہے اور اس سے ملحقہ غلام باغ ہے۔ اسی غلام باغ سے کہانی کا آغاز ہوتا ہے۔ بہت سے لوگوں کا یقین ہے کہ اس جنم کھنڈر کے تہہ خانے میں شاہی خزانے کا صندوق پڑا ہے جس کی رکھوالی ایک سنہری سانپ کر رہاہے۔ اساطیری روایات میں گھرے ہوئے غلام باغ پر بین الاقوامی ماہرین آثار قدیمہ کی توجہ کامرکز ہے۔ بلکہ مقامی مہم جووں کی نظریں بھی اس پر جمی ہوئی ہیں۔ ناول کا آغاز سماجی اور جنسی ظلم سے ہوتا ہے۔ جس میں مانگر جاتی قوم انسانیت سے بھی بدتر ہے۔ یہ خیال بڑی ذات کے پگل چودھریوں کا ہے۔ جن کے کھیتوں میں یہ کام کرتے ہیں۔ ایک کردار حکیم یاور اتائی کا ہے جو قوتِ باہ کی گولیاں بناتا ہے جس کی گولیوں سے بڑے بڑے استفادہ کرتے ہیں۔ کچھ لوگ مشرق بعید کارخ کرتے تاکہ اپنی نودریافت طاقت کا بہ آسانی اظہار کرسکیں۔ وہ بازار حسن کی کم سن لڑکیوں سے زنا کرتے اور یاوراتائی کی گولیو ں کی ہنر مندی کی داد دیتے ہیں۔ ایک کردار سائیکٹری وارڈ کی جوان پیرانائیڈ عورت ہے جوڈاکٹر کی ہوس کانشانہ نہ بنتی ہے۔ ایک کردار چٹاسائیں جو بالکل ننگ دھڑنگ رہتاہے۔ لوگ اس سے مرادیں مانگتے ہیں۔ حالانکہ وہ ننگی گالیاں دیتاہے۔ اس کی وفات کے بعد سائیں افلاطون مدد علی جو کہ غلام باغ کاکھوجی ہے اس کو گدی نشینی بھی دی جاتی ہے۔ یعنی ایک انسان کا علاج کرانے کی بجائے گدی پر بٹھاناکتنا بڑا جرم ہے۔ لیکن لوگ اسے مسیحا سمجھتے ہیں۔ ایک کردار زمین دار اشرف کی بدکاریاں ہیں۔ یہ لوگ ایڑی چوٹی کازور لگاکر اسمبلیوں میں پہنچ کر ملک کے سرمائے کو غیر قانونی طریقے سے ہڑپ کر جاتے ہیں اور وائٹ کالر کرائم کرتے ہیں۔ ایک کردار اسمگلر امبر جان کا ہے جو کہ اسمگلنگ، قتل اور زنا جیسے جرائم میں ملوث ہے اور یاور اتائی کی بیٹی زہرہ کا عاشق ہے۔ اس پر ناکام جنسی حملہ بھی کرتا ہے آخر کار اپنے حریف کبیر کو گولی مار کر قتل کردیتاہے۔ خود بھی خودکشی کر جاتا ہے۔ ناول میں معاشرتی جرائم کا عکس اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"ایک تو ان میں حاکو کانٹے والا ہو گزرا تھا۔ جب انگریز نے علاقے میں ریلوے لائن گزاری تو حاکو (حاکم دین) انعام گڑھ اسٹیشن پر کانٹے والا بھرتی ہو گیا۔ سرکاری نوکری ملنے پر وہ اپنی اصل بھول گیا اور کسی کو بھی خاطر میں نہ لاتا تھا۔ اسے اس کی اصل کی طرف واپس پہنچانے کے لیے چند بڑوں نے آسان طریقہ نکالا اور اسے ہاتھ پاؤں باندھ کر ریل کی پٹڑی پر ڈال دیا۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے اس کا منہ نہ باندھا اور آتی ریل آواز سن کر وہ پاگل ہو گیا۔ قہقہے لگانے لگا اور وہ ایک ہی بات کہتا تھا۔ میں بھورا بادشاہ بن گیا ہوں۔ ریل گڈی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ پھر جانے ان میں ایک بڑی پھوں پھاں والا ماسٹر کرم الٰہی پیدا ہو گیا۔ چودھری رحیم کا چھرنے پہلے تو اس کی اکڑ توڑنے کے لیے اسے بھاری تنخواہ پر اپنے پاس منشی رکھنے کی ترکیب دی۔ اسے ماسٹری سے استعفیٰ دلوایا۔ اپنے پاس منشی رکھا اور پھر جوتے مار کر نکلوا دیا۔ ماتگر کو سبق سکھانے کا تجربہ رحیم کا چھر چودھری کو بڑا مہنگا پڑا۔ مستعفی ماسٹر نے رحیم چوہدری کو اس کے گھر کے سامنے چھریوں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے"۔ (۱۹)

محمد الیاس اس دور کے نمائندہ اردو ناول نگار ہیں ان کے موضوعات میں بنیادی موضوعات محبت ہے۔ اس کے علاوہ ان کے موضوعات مزاحمت اور جرائم پر بھی انہوں نے قلم اٹھایا ہے۔ ان کا پہلا ناول "کہر" سنگ میل پبلی کیشنز نے شائع کیا۔ پھر اس کے بعد "برف" پُروا، دھوپ، حبس بھی سنگ میل ہی نے شائع کیے۔ ان کے ناول "برف" میں جرائم کی جھلک کا جائزہ لیتے ہیں۔

"مولوی عمر فاروق تنظیم کو بدنام کر رہا ہے۔ میرپور اور کوٹلی آزاد کشمیر کا دورہ کر کے خاصی رقم بھی اکٹھی کر لایا اور کیمپ سے دور نزدیک کی آبادیوں میں بھی گھومتا ہے جو اس شخص کے ساتھ ہاتھ ملائے اس سے بلا جھجک جہاد فنڈ میں حصہ ڈالنے کا مطالبہ کرتا ہے۔ کوئی غریب دیہاتی رقم نہ دے سکے تو اناج، بکری، مرغی پر بھی ہاتھ صاف کر لیتا ہے۔ یہ طرز عمل مرکزی قیادت کے احکامات کی بھی خلاف ورزی ہے۔ اس شخص نے مجاہدین کا کردار خاک میں ملا کر رکھ دیا۔ مقامی کشمیری آبادی میں مجاہدین اور عسکری تنظیموں کے خلاف نفرت کے جذبات فروغ پا رہے ہیں۔ زیادہ تر مجاہدین مشنری جذبے سے سرشار ہیں اور دال، ساگ کو کھا کر بھی خوش رہتے ہیں۔ لیکن عمر فاروق مولوی آئے روز بکرے ذبح کراتا رہتا ہے۔ آدھا بکرا خود کھا جاتا ہے۔ یہ آدمی جہاد لڑنے نہیں پکنک منانے آیا ہوا

ہے۔ نامور عسکری کمانڈر مجاہد کامران کو ایسے شواہد بھی ملے کہ عمر فاروق نے کچھ مقامی لوگوں سے عطیے میں قیمتی اسلحہ اور طلائی زیورات ہتھیا لیے اور اسلحہ جرائم پیشہ افراد کے ہاتھوں فروخت کرکے رقم کھری کرلی۔ یہ صورتحال انتہائی تکلیف دہ اور شرمناک تھی ۔مجھے اچانک غصّہ آ گیا اور حواس پر قابو نہ رکھ سکا تو اس کی گدی پر بایاں ہاتھ رکھا۔ دائیں سے ماتھے پر پسٹل کی نالی رکھی اور فائر کر دیا تو وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔(۲۰)

یہ وہ جرائم ہیں جو بعض نام نہاد مجاہدین کو بدنام کرنے کے لیے ایسے جرائم پیشہ کام کرتے ہیں۔اردو ناول میں جرائم کے ہر طرح کی نوعیت ان کی نفسیات معاشرے میں خلل ڈالنے جیسے جرائم کو بے نقاب کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کو معاشرے میں موجود برائیوں کا علم ہو سکے۔ محمد الیاس کے ناول "حبس" میں اخلاقی جرائم کے ساتھ ساتھ مذہبی اور گروہی جرائم کا ذکر بڑی بے باکی سے ادا کیا گیا ہے۔ دوسری طرف ملک میں بڑھتی ہوئی دہشت جیسے جرائم کا ذکر بھی ملاحظہ فرمائیں جو کہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

"عوام اکائیوں میں بٹ گئے تھے مجھے نسلی لسانی علاقائی مذہبی مسلکی اور ذات برادری کی ادنی ترین تفریق نے معاشرے کی بازیافت کو ہلا کر رکھ دیا برداشت رواداری قصہ پارینہ ہو کر رہ گئی۔ ہم نے بچپن اور جوانی جس ماحول میں گزاری تھی۔ اس میں بزرگوں نے ہمارے سامنے احترام آدمیت کی تابندہ مثال قائم کر رکھی تھیں اور ہم بھی اس روایات پر کافی کاربند رہے تھے۔ زمانہ ایسا آیا کہ انسان ہی انسان کا دشمن ہو گیا ہے۔ ایسی ایسی بحثیں اور نفرتیں ابھر آئی ہیں جن کا کبھی تصور بھی نہ کیا تھا۔ انتہاپسند طبقات باقاعدہ ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہو گئے۔ عسکری تنظیمیں قائم کرلی گئیں۔جو مخالف نظریات اور عقائد رکھنے والوں پر حملہ آور ہوتیں۔ دہشت گردی کی واردات روزمرہ کا معمول بن گئیں۔ عام نہتے شہری عبادت گاہوں اور عوامی مقامات پر نشانہ بننے لگے۔ سرکاری نجی اداروں اور گلی محلوں میں کہیں بھی امن سکون نہ رہا۔ نفرتوں نے پوری فضا کو مسموم کر دیا۔ اور پرامن شہری بھی تازہ ہوا کے ایک سانس کو ترس گئے۔ مجھ پر ہمہ وقت جس دم کی کیفیت طاری ہوتی رہتی، پراچہ کو لاہور میں اسی کے فلیٹ میں کسی انتہاپسند تنظیم نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔"(۲۰)

محمد الیاس نے اس ناول میں جنرل ضاءالحق کی حکومت کے قائم ہونے کے بعد کے حالات اور ایسے جرائم کی نشاندہی کی ہے جو کہ انسان اور انسانیت کے خلاف ہے کہ کس طرح لوگ دھڑا دھڑ عسکری تنظیمیں بنا رہے ہیں۔ بعد میں

آنے والے حالات نے ثابت کر دیا کہ قانون شکنی جیسے جرم یعنی مارشل لاء نے ملک کے سکون کو کس طرح تباہ کیا۔ مذہبی انتہا پسندی جیسے جرم کو اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔ مذہب میں انتہا پسندی جرم ہے لیکن جن لوگوں نے اِسے پروان چڑھایا اصل مجرم وہ ہیں۔ یہی جرائم ناول کا تھیم ہے۔

کتابیات

۱۔ مظفر حسن ملک، ڈاکٹر، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۲۰۰۶ء، ص۹

۲۔ ادبیات، سہ ماہی، اکادمی ادبیات پاکستان، حصّہ اوّل، اسلام آباد، ۲۰۱۹ء، ص۷۵

۳۔ گارڈ فادر، ماریو پوزو، ترجمہ، رؤف کلاسرا، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۱۵ء

۴۔ روزنامہ ایکسپریس، مورخہ ۲۲ مارچ ۲۰۲۰ء

۵۔ ایضاً

۶۔ ایضاً

۷۔ ایضاً

۸۔ نذیر احمد ڈپٹی، مراۃ العروس، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۹۴ء، صفحہ ۸۳۰

۹۔ محمد ہادی رسوا، مرزا، امراؤ جان ادا تخلیقات، لاہور ۱۹۹۱ء، صفحہ ۱۳۵

۱۰۔ عبدالحلیم شرر، مولانا، فردوس بریں، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۹۵ء، صفحہ ۱۹۴

۱۱۔ ادبیات، سہ ماہی، اکادمی ادبیات پاکستان، حصّہ اوّل، اسلام آباد، شمارہ جولائی تا دسمبر ۲۰۱۹ء، صفحہ ۲۲۹

۱۲۔ ایضاً، صفحہ ۱۷۱-۱۷۲

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ خالد اشرف، ڈاکٹر، برصغیر میں اُردو ناول، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۶۴

۱۵۔ ادبیات، سہ ماہی، اکادمی ادبیات پاکستان، حصّہ اوّل، اسلام آباد، شمارہ جولائی تا دسمبر ۲۰۱۹ء، صفحہ ۴۲۹

۱۶۔ شوکت احمد صدیقی، جانگلوس، حصّہ اوّل، کتاب پبلی کیشنز، کراچی، ۱۹۸۷ء، صفحہ ۲۴۵

۱۷۔ تارڑ مستنصر حسین، قلعہ جنگی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۴۲

۱۸۔ ایضاً، ص ۱۲۰

۱۹۔ مرزا اطہر بیگ، غلام باغ، ساتواں ایڈیشن، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۲۱ء، صفحہ ۶۷

۲۰۔ محمد الیاس، برف سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۱۰ء، صفحہ ۲۴

۲۱۔ محمد الیاس، حبس، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۱۸ء، صفحہ ۱۲۳